پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

1001
جلد 20 ذی الحجہ 1443ھ مطابق 20 جولائی 2022ء

Regd.No:MC1437

اگر کچھ مرتبہ چاہو!

نہایت عام سی عورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن



سودخوروں کے خلاف اعلانِ جنگ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی ایمان والے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تمھارے لیے اللہ اور رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے اور اگر تم توبہ کرو گے تو تمھیں اپنی اصل رقم واپس لینے کا حق ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے۔

{سورۃ البقرہ: آیت ۲۷۸۔۲۷۹}

الحدیث



سودخوری سے بچو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔'' عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کون سی چیزیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال ہڑپ کر جانا، سود کھانا، میدانِ جنگ سے بھاگ جانا اور پاک دامن، بے خبر اور مومن خواتین پر تہمت لگانا۔''

{بخاری}



مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

اجنبی لڑکے لڑکی کا ربط و تعلق:

سوال: ایک لڑکے اور لڑکی میں ٹیلیفونک رابطہ ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ لڑکا پاکستان میں ہے، لڑکی کسی دوسرے ملک میں ہے۔ اس کا دین و مذہب بھی معلوم نہیں۔ دونوں انجان واجنبی ہیں، ایک دوسرے کے متعلق کچھ نہیں جانتے لیکن دل میں محبت رکھتے ہیں سوال یہ ہے کہ اگر لڑکی باہر سے کوئی ہدیہ بھیجے تو لڑکے کے لیے اسے قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ لڑکی کے بقول وہ ملازمت کرتی ہے، اگر ہدیہ لینا ناجائز ہے تو اس کا کیا کیا جائے؟ لڑکی واپس لینے کو بھی تیار نہیں۔ (بنت سطور۔ چھچھ ویلی)

جواب: اجنبی لڑکے لڑکی کا ربط و تعلق ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ حدیث میں نامحرم کے دیکھنے کو آنکھوں کا زنا، اس سے گفتگو کرنے کو زبان کا زنا، اس کی آواز سننے کو کانوں کا زنا اور اسے پکڑنے کو ہاتھوں کا زنا، اس کی طرف چلنے کو پاؤں کا زنا فرمایا گیا ہے۔ مسلمان لڑکے پر فرض ہے کہ لڑکی کا موبائل نمبر بلاک کر کے یہ تعلق فوری ختم کر دے اور گزشتہ گناہ پر توبہ واستغفار کرے اور لڑکی کا ہدیہ قبول کرنا بھی جائز نہیں۔ یہ ہدیہ نہیں بلکہ رشوت اور بدکاری کا پیش خیمہ ہے۔ اس لیے لڑکے کے لیے کسی صورت لینا جائز نہیں، اگر لے لے تب بھی ملک ثابت نہ ہوگی، واپس لوٹانا ضروری ہے۔ **المتعاشقان یدفع کل واحد منهما لصاحبه اشیاء فی رشوة لایثبت الملک فیها وللدافع استردادها۔** (عالمگیریہ ۴/ ۴۰۳)

مخصوص بالوں کی صفائی:

سوال: مخصوص بالوں کی صفائی کے لیے شریعت نے چالیس دن کی حد مقرر کی ہے۔ اگر کسی خاتون کو چالیس دن سے زائد گزر جائیں اور عذر کے سبب صفائی نہ کر سکے تو کیا حکم ہے؟ ان دنوں کی عبادت قبول ہوگی یا نہیں؟ دوسرے ان چالیس دنوں کی ابتدا کب سے ہوگی؟ جس دن بالوں کی صفائی کی اس دن سے یا جس سے بال نکلنا شروع ہوں؟ واضح رہے کہ بال ایک ہفتے بعد نکلنا شروع ہوتے ہیں؟ (ایضا)

جواب: افضل تو یہ ہے کہ ہر ہفتے صفائی کی جائے، ورنہ پندرہ دن بعد، آخری حد چالیس دن ہے، اس سے بھی زیادہ تاخیر کر دینا گناہ ہے، لیکن اس گناہ کے سبب عبادات رد نہیں ہوتیں، تاخیر کے باوجود نمازیں اور دیگر عبادات مقبول ہیں۔ اگر کسی خاتون کو عذر ومجبوری ہو (کہ کریم و پاؤڈر کا استعمال بھی ممکن نہ ہو، نہ خاوند کے ذریعے صفائی ممکن ہو) تو تاخیر کے سبب گناہ گار نہ ہوگی، باقی اس مدت کی ابتدا صفائی کے بعد سے ہوگی۔

اگر یہ گناہ کیا تو میں کافر ہوں:

سوال: مجھ سے ایک گناہ نہیں چھوٹتا تھا۔ بار بار توبہ کرتی، مصمم ارادہ کر لیتی کہ آئندہ نہیں کرنا، لیکن پھر ہو جاتا۔ ایک بار غصے میں کہہ دیا کہ یا اللہ! اگر اب میں نے یہ گناہ کیا تو میں کافر ہوں، مجھے جہنم میں ڈال دینا اور میری توبہ بھی قبول نہ کرنا، لیکن اس توبہ پر بھی قائم نہ رہی اور کچھ عرصے کے بعد دوبارہ وہ گناہ ہو گیا، تب سے میں بہت پریشان ہوں۔ براہِ کرم اس کا کفارہ بتائیے، میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کر لیں؟ (ایک بہن)

جواب: اتنے سخت جملے کہنے کے بعد آپ کو اپنی توبہ پر سختی سے قائم رہنا چاہیے تھا۔ توبہ توڑ کر آپ نے سنگین جرم کا ارتکاب کیا، تاہم ارتکابِ جرم کے سبب آپ کافر نہ ہوں گی، بلکہ قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ قسم کا کفارہ ادا کیجیے اور آئندہ کے لیے توبہ پر قائم رہیے۔ ساتھ ہی توبہ واستغفار کی کثرت کیجیے، یہی اس کا کفارہ ہے۔ اور اگر یہ جملے ادا کرتے ہوئے آپ کو دل میں کفر کا یقین تھا کہ توبہ توڑ کر واقعی کافر ہو جاؤں گی اور توبہ توڑ کر یہی سمجھیں کہ اب کافر ہو گئیں تو کفارہ قسم کے ساتھ کلمہ پڑھ کر ایمان کی بھی تجدید کیجیے اور اگر شادی شدہ ہیں تو نکاح کی بھی تجدید کیجیے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عالمگیریہ ۲/ ۵۴۔ خیر الفتاویٰ ۶/ ۲۴۰

گذشتہ سے پیوستہ

اُمہات المؤمنین کے اخلاقِ حسنہ

اُمّ المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ تشریف لائیں، صلح کے زمانے میں ان کے والد ابوسفیان ملاقات کے لئے مدینے آئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی مضبوطی کے لئے گفتگو کرنا تھی، بیٹی سے ملنے گئے، وہاں بستر بچھا ہوا تھا، اس پر بیٹھنے لگے تو ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ بستر الٹ دیا، والد نے پوچھا کہ یہ بستر میرے قابل نہیں تھا یا میں اس بستر کے قابل نہ تھا، ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے پاک اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے، اور تم مشرک ہو اور ناپاک ہو، اس لئے اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں۔ والد کو اس بات پر بہت رنج ہوا، اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بری عادتوں میں مبتلا ہو گئی ہو، مگر ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عظمت اور محبت تھی، اس کے لحاظ سے وہ یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ کوئی ناپاک، مشرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھ جائے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ محبت اور عقیدت تھی۔

اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

آپ نہایت عاقلہ، فاضلہ اور حلیم الطبع تھیں۔ سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں۔ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے اور حضور کو ان سے نہایت محبت تھی۔ آپ ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ حلم وتحمل آپ کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔ غزوہ خیبر میں جب آپ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں، لیکن آپ پیکر متانت رہیں۔ جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

آپ بہت فیاض تھیں۔ جب اُم المومنین بن کر مدینے میں آئیں تو ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن میں اپنے سونے کے زیورات تقسیم فرما دیے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا، آپ نے ان کی بے حد مدد کی تھی۔ جب حضرت عثمان پر ضروریات زندگی تنگ کر دی گئیں اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو آپ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں۔ بدبخت مالک اشتر نخعی کی نظر پڑی تو اس نے آ کر خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ آپ لوٹ آئیں اور پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ آپ کے مکان سے خلیفۃ المسلمین کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔

اخت سعد الرحمٰن ۔ گوجرانوالہ

آپ کی گھرداری کی تعریف کرتے ہوئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے صفیہ جیسی کوئی عورت عمدہ کھانا بنانے والی نہیں دیکھی!''

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بہت عبادت گزار، سخی اور اللہ سے ڈرنے والی تھیں۔ قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کیا کرتی تھیں۔ نوافل کا بہت اہتمام فرماتی تھیں۔ غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کیا کرتی تھیں۔ آپ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تم کو اس کا اجر دے۔'' صلہ رحمی میں بھی ان کی مثال کم یاب تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں

''وہ اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والی اور بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔''

اگرچہ کاشانہ نبوت میں عموماً فقر وفاقہ کی حالت رہا کرتی تھی مگر اس کے باوجود حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سخاوت کی انتہا کر دیا کرتی تھیں، جو کچھ آتا، راہِ مولا میں خرچ کر دیتیں، یہی نہیں بلکہ بعض اوقات قرض لے کر بھی خیر کے کاموں میں صرف کر دیتیں۔ ایک بار زیادہ رقم قرض لے لی تو کسی نے حیرت سے پوچھا!

''آپ اتنا قرض کس طرح ادا کریں گی؟''

فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرض (لیتے ہوئے) ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، اللہ اس کا قرضہ ادا کروا دیتا ہے۔'' (مسند احمد)

☆☆☆

مدیر اعلیٰ : مفتی فیصل احمد | مدیر : انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیر مسؤل : محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون : اندرون ملک 1200 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 18000 روپے، دو میگزین 20000 روپے

ڈائٹ پلان

دیکھیے ایک ماں نے اِس کا کیسا سادا سا حل نکالا ہے!

نئی زمانہ بچیوں کے بڑی بڑی فکروں میں
ایک بہت بڑی فکر "وزن" کی بھی ہوتی ہے

فلزا وسیم - کراچی

"بس بہت ہو گیا، کل سے کھانا بند اور ڈائٹ پلان پر سختی سے عمل شروع۔ جسے دیکھو وہ عجیب عجیب سوال کرتا ہے کہ تمھیں کیا ہوا؟ اتنا وزن کیوں بڑھالیا؟ کیا کھاتی ہو؟ وزن کم کرو، اپنی عمر سے بڑی دِکھتی ہو۔ بس آج فیصلہ ہو گیا، آج ہی قریب ترین فٹنس جم جوائن کروں گی، پھر کوئی اچھا سا ڈائٹ پلان فالو کرلوں گی۔ بس ایک ماہ میں دس کلو وزن کم کرنے والا کوئی ڈائٹ پلان مل جائے۔ ایک ایک کو خاموش کروادوں گی۔"

میں نے عزم مصمم کرلیا اور امی سے اجازت لے کر دوسرے ہی دن نزدیکی جم چلی گئی۔ ایک گھنٹے کی کلاس اٹینڈ کی اور سب خواتین اور جم کی مشینوں پر الوداعی مسکراہٹ ڈال کر واپس آگئی، کیونکہ میں جان گئی تھی کہ یہاں کا ماحول میرے لیے اجنبی ہے۔

میں نے سوچا کہ اس سے اچھا ہے کہ روزانہ ایک گھنٹہ چہل قدمی کرلوں اور کوئی ڈائٹ پلان اپنا لوں۔ موبائل اٹھایا تو مختلف قسم کے ڈائٹ پلان سامنے آگئے:

کیٹو ڈائٹ، فروٹ سلاد ڈائٹ، ابلی ہوئی سبزیاں ڈائٹ، مختلف قسم کے سوپ، پورے دن میں صرف ایک وقت کھانا، تین ماہ تک گندم، چاول، چینی، نمک، تیل میدہ، آئسکریم کو بالکل بھول جانا، کولڈ ڈرنکس چاکلیٹ بھی ختم، اور پھر افاقہ ہی افاقہ!

ہر ڈائٹ پلان کے ساتھ ایک گھنٹہ چہل قدمی اور ۳ لیٹر پانی پینا بھی شامل تھا۔

بس جی میں نے سوچ لیا کہ کل سے ان تمام باتوں پر عمل شروع کرنا ہے۔

صبح اٹھی تو سب سے پہلے گرم پانی میں لیموں ڈال کر پیا، پھر ایک گھنٹہ چہل قدمی کی، اس کے بعد دو ابلے ہوئے انڈے، ا کپ گرین ٹی پی اور دو گھنٹے کا وقفہ دیا۔ ۱۲ بجے ایک پھل کھایا اور دو گھنٹے بعد کھانا، جس میں ابلی ہوئی سبزی تھی اور گرین ٹی۔ اب رات میں ابلی ہوئی دال کی پیالی پینی تھی۔

پہلا دن بہت عجیب اور بدذائقہ گزرا۔

"مزہ نہیں آیا، کل سے فروٹ سلاد بناتی ہوں، پورا دن بس وہی کھایا کروں گی۔"

اگلے دن اس نے اس پلان پر عمل کیا اور دو پھل اور تین سبزیوں کا سلاد بنا کر بڑے سے پیالے میں ڈال دیا۔ ابھی ایک ہی بار کھایا تھا کہ ہر آتے جاتے فرد نے اس میں سے کھانا گویا متبرک جان لیا۔ یوں دوپہر سے پہلے وہ پیالہ خالی تھا جو مجھے پورے دن میں کھانا تھا۔

اگلے دن سوپ کا خیال آیا کہ سوپ کوئی نہیں پیے گا!

بس جی چار اقسام کی سبزیاں اور تھوڑا سا مرغی کا گوشت ملا کر سوپ بنالیا جو تقریباً چار پیالی تیار ہوا۔ ابھی سوپ تیار ہی ہوا تھا کہ اچانک مہمان آگئے۔ فوری طور پر کچھ تھا نہیں، اس لیے مجبوراً اپنے سوپ کی قربانی دی اور وہی پیش کردیا۔

شام تک میرا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔

میں نے روہانسی آواز میں امی سے شکوہ کیا۔

"کسی کو میرا خیال نہیں، میری ڈائٹنگ روٹین نہیں بن پا رہی، آخر میرا وزن کیسے کم ہوگا؟" امی مسکراتے ہوئے سنتی رہیں، پھر کہنے لگیں:

"پریشان مت ہو، سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

☆......☆

چھ بہن بھائیوں میں، میں سب سے بڑی ہوں۔ کھانا کھانے اور پکانے کی شوقین بھی۔ کھانا پکانے کی ذمے داری شروع سے میری تھی۔ ہفتے میں دو دن تو میٹھا اور مرغن کھانا بنانا لازم تھا۔ گھر کا باقی کام بھی کچھ نہیں تھا، تو بس پتا ہی نہ چلا کہ کب وزن بڑھنا شروع ہو گیا۔ امی گھر میں جز وقتی دو ملازماؤں سے کام کرواتی تھیں۔ کپڑے دھونے کے لیے خودکار واشنگ مشین تھی۔ صفائی اور کپڑوں کو استری کرنے کے لیے خیرن بی کئی سالوں سے کام کر رہی تھیں۔ جب وہ گاؤں جاتیں تو باورچی خانہ امی دیکھتیں اور میں گھر کی صفائی کرتی۔ ایسا مگر بہت کم ہوتا تھا۔

تو خیر یہ کچھ دن بعد کی بات ہے، جب صبح صبح امی نے مجھے بتایا کہ خیرن بی کی بیٹی بیمار ہے، وہ گاؤں جارہی ہے اپنی ماں کے پاس پندرہ دن کے لیے۔

آگے کی بات میں سمجھ گئی تھی کہ پندرہ دن کے لیے امی باورچی خانے میں ہوں گی اور میں باورچی خانے سے باہر۔

اسی دن سے گھر کی صفائی، ڈسٹنگ اور کپڑے استری کرنا میں نے اپنے ذمے لے لیا۔ روزانہ سب کے کپڑے استری کرتی، پورے گھر کی تفصیلی صفائی، ڈسٹنگ کرتی۔ انھی پندرہ دنوں میں دوبارہ امی کو بخار ہوا تو باقی کاموں کے ساتھ ساتھ باورچی خانہ بھی سنبھالا۔

میں بہت تھک جاتی تھی۔ ان پندرہ دنوں میں کسی بھی ڈائٹ پلان پر عمل نہ کرسکی۔ بس روزانہ تیس منٹ کی تیز چہل قدمی جاری رہی، پانی بھی البتہ خوب پیتی رہی اور کچھ نہیں۔ معمول کے کھانے کھائے جاتے رہے، ہاں میٹھا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ کھانا میں دن میں دو بار ہی کھاتی۔ ایک بار ناشتا اور دوسرا مغرب کے وقت سخت بھوک لگنے پر مناسب کھانا۔

پندرہ دن بعد بھی جب خیرن بی نہ آئیں تو امی نے معلوم کروایا۔

پتا چلا، اب وہ ایک مہینے بعد آئیں گی۔

مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بات پر غصہ کرنا ہے یا صبر، کیونکہ امی کسی اور ملازمہ کو رکھنے پر آمادہ نہیں تھیں اور سچ پوچھیں تو اب مجھے بھی کاموں کی عادت سی ہوگئی تھی۔

موسم بدل رہا تھا۔ گرمی کا اختتام اور خزاں کا موسم شروع ہو رہا تھا۔ اگرچہ سردی کی آمد ابھی نہیں ہوئی تھی مگر امی سردیوں کے کمبل، لحاف، گرم جیکٹ، سوئٹر وغیرہ کو اسٹور سے نکلوا کر دھوپ لگواتی تھیں، یہ کام کرنے میں، میں اُن کی مدد کرتی تھی۔ اس بار یہ کام مجھے اکیلے کرنا پڑا۔

خیرن ایک مہینے کے بعد بھی نہ آئی، اور یوں اس معمول کو ایک ماہ پچیس دن گزر گئے۔

میں نے ایک دن امی سے کہا کہ امی اب خیرن نہیں آئے گی! آپ کسی اور کو رکھ لیں۔

کہنے لگیں: ''میری بات ہوئی ہے، بس دو ہفتے مزید لگیں گے، پھر وہ آجائے گی۔''

''یعنی ابھی دو ہفتے مزید؟'' میں جھنجھلا سی گئی۔

خیر یہ پندرہ دن تو کیا، پورا مہینہ ہی گزر گیا، خیرن نہ آئی۔ گویا اب تین مہینے ہو گئے تھے۔

اب تو مجھے بھی کاموں کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ خالی دماغ کے سارے الٹے سیدھے مشغلے بھول گئے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ اپنا ڈائٹ پلان بھی بھول گیا تھا۔

خیرن کو گئے چوتھا مہینہ لگ گیا تھا کہ امی کی ایک پرانی جاننے والی امی سے بہت عرصے بعد ملنے آئیں۔ امی ان کے پاس بیٹھ گئیں اور میں چائے اور باقی لوازمات پیش کر کے گھر کے دیگر کام مکمل کرنے لگی۔

برتن دھوتے وقت خیال آیا کہ امی کے کمرے سے برتن لے آؤں۔

میں کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی کہ اچانک میرے قدم رک گئے۔

امی اپنی سہیلی سے کچھ کہہ رہی تھیں۔

''ارے اپنی سارہ کا وزن بھی بہت بڑھنے لگا تھا۔ گھر کا کام بھی کچھ خاص نہیں کرتی تھی۔ نجانے کون کون سی الٹی سیدھی ڈائٹنگ کرنے میں لگی تھی، جس سے وزن تو کیا کم ہوتا، الٹا بولائی بولائی پھرتی رہتی، سو میں نے بہت سوچ سمجھ کر ایک حل نکالا اور گھر میں صفائی کرنے والی جز وقتی ملازمہ کو تین ماہ کی چھٹی پر گاؤں بھیج دیا۔ گھر کے سارے کام جو ہم اکثر خود کر سکتے ہیں، ملازمہ سے کروا کر انھیں اسمارٹ اور دبلا پتلا رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ سب کام بچیوں کو کرنے چاہییں، کون جانے کل کو سسرال میں کیا ماحول ہو؟ ویسے بھی بڑی عجیب بات ہے کہ جم اور فٹنس کلب میں جا کر خوب محنت کرو، پسینہ بہاؤ اور ہر ماہ پیسے دے کر آجاؤ، اس سے اچھا نہیں کہ گھر کے کاموں میں وہ اضافی طاقت لگ جائے۔ اب دیکھ لو میری سارہ کو کتنی متناسب ہوگئی ہے۔ بہت زیادہ موٹاپا نہ بہت زیادہ دبلا پا۔ رہی بات خیرن کی تو وہ کل سے کام پر واپس آرہی ہے۔ میں نے سارہ کو توجہ نہیں دلائی، ورنہ پہلے سے بہت زیادہ فرق پڑ گیا ہے۔ میں اسے کہوں گی کہ خیرن کے آنے کے بعد بھی کاموں میں کمی نہ کرے۔''

امی کی باتیں سن کر جو پہلے میرا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا، آخر میں آکر خوشی سے پھیل گیا۔

میں الٹے قدموں اپنے کمرے کی طرف دوڑی اور اپنے بیڈ کے نیچے رکھی ویٹ مشین کو نکالا۔ گرد صاف کی اور اس پر کھڑی ہوئی۔

''ارے یہ کیا؟ اتنا کم تو خیر نہیں ہو سکتا، لگتا ہے پڑے پڑے خراب ہوگئی ہے۔'' میں دھڑکتے دل کے ساتھ بولی۔

اتر کر پھر کھڑی ہوئی: ''اوہ میرے خدا؟ کیا یہ سچ ہے؟''

میرا وزن کم ہو کر پچھتر کلو سے باسٹھ کلو پر آگیا تھا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

خوشی سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

دل ہی دل میں اللہ کا شکر اور امی کا شکریہ ادا کیا اور باہر کو لپکی۔ مجھے یہ خبر سب سے پہلے امی کو سنانی تھی۔

امی کی سہیلی جا چکی تھی۔ میں نے امی کو گلے لگا کر بہت پیار کیا۔

''جزاک اللہ خیراً امی!''

وہ حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھیں، جب میں نے پوری بات بتائی تو وہ مسکرا دیں۔

''امی! آپ بہت اچھی ہیں، آپ کی سہیلی چلی گئیں؟'' میں نے امی سے پوچھا۔

''ہاں چلی گئیں مگر اب بہت جلد آئیں گی ایک خوش خبری کے ساتھ، انھیں تم بہت پسند آئی ہو کچھ دن بعد وہ اپنی بیٹی اور بہن کے ساتھ باقاعدہ تمھیں ہم سے مانگنے آرہی ہیں۔ وہ جاتے جاتے تمھارا ڈائٹ پلان بھی پوچھ رہی تھیں۔''

''تو آپ نے بتا دیا؟''

''ہاں ظاہر ہے، ان کے ہاں بھی تم جیسی ایک سارہ اور خیرن بی جیسی ایک روح ہے، لیکن میں نے انھیں تمھارے وہ الٹے سیدھے ڈائٹ پلان نہیں، اپنا پلان تفصیل سے بتایا ہے۔'' میں ہنس پڑی۔

مجھے امی کی بات بہت اچھی لگی۔ کوئی بھی جم یا فٹنگ کلب کب تک ہماری مدد کرے گا؟ کوئی بھی ڈائٹ پلان عمر بھر نہیں فالو کیا جا سکتا، لہٰذا اپنا طرزِ زندگی ایسا رکھنا چاہیے کہ ہم ان مصنوعی سہاروں کے محتاج نہ ہوں۔ اللہ نے اتنی نعمتیں دی ہیں، عقل سمجھ دی ہے، اعتدال میں رہ کر اور اسراف سے بچ کر اپنایا جانے والا کھانا اور گھر کے کام ہی سب سے اچھا ڈائٹ پلان ہوتا ہے۔

☆☆☆

انٹرویو باجی عامرہ احسان مدظلہا

2

حقیقی رشتہ اللہ سے ہے، باقی تمام رشتے فانی اور اس رشتے کے تابع ہیں!
ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ، رزق کا منبع، ہر آسانی اور سہولت، مغفرت، اجرہی اجر اور سینے میں فرقان (کسوٹی، روشنی) تقویٰ اور خدا خوفی سے وابستہ ہے، یہ ہر بچی کے لیے میرے رب کی رہنمائی ہے!

(خولہ غفنفراللہ۔ دین پور شریف)

سوال: مجھے معلوم ہے کہ شہادت ایک وہبی نعمت ہے، لیکن کوئی ایسی علامت بتایئے، جو آپ کے دونوں بیٹوں میں مشترک تھی اور آپ کو لگتا ہو کہ شہادت پانے کے لیے یہ خوبی ہر شہید میں ضرور ہوتی ہے۔

جواب: واللہ اعلم! تاہم اقبال نے کہا تھا: ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ، پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے۔ یہ جان اللہ، رسول کریم ﷺ، اخوتِ اسلامی، امت مسلمہ کو مرکز و محورِ زندگی بنائے بغیر پیدا نہیں ہوسکتی۔ اشد حبا للہ، اور ہر رشتے اور اپنی جان سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی محبت، امت کی اخوت اس درجے میں جو راتوں کو اٹھائے اور رلائے، اس کے بغیر سورۃ التوبہ میں مذکور آٹھ رکاوٹیں عبور کرنی ممکن نہیں۔ یہی مبادیات ہیں اس راہ کے۔ اصلاً تو یہ اعزاز عطائے ربی ہے، اس کے احسانِ عظیم کے بغیر ممکن نہیں۔ اہم ترین وصف تاہم جو یکساں طور پر دونوں میں تھا، وہ دین اور اہلِ دین سے بلاتفریق محبت اور احترام (حق واضح ہونے کے ساتھ)۔ فروعی اختلافات پر رد کرنے، شدت برتنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے، پرکاربند! یہی اُن کی بنیادی تربیت بھی تھی!

(فائزہ واحد۔ گوجرانوالہ)

سوال: اپنی بیٹی سمجھ کر کوئی نصیحت کیجیے، جو زندگی کے سفر میں کام آئے۔

جواب: زندگی کی بنیادی حقیقت اور اللہ سے اپنا رشتہ سمجھ کر باقی تمام رشتے اور معاملات اسی کے تابع نباہنا۔ 'انا للہ و انا الیہ راجعون' اسے عموماً موت اور نقصان ہی پر پڑھے جانے والی آیت سمجھا جاتا ہے، جبکہ یہ حیات بخش اور نقصان سے بچ جانے کی آیت ہے۔ (علم کی بنیاد پر نہیں، تجربے کی بنیاد پر کہہ رہی ہوں)۔ حقیقی رشتہ اللہ سے ہے، باقی تمام رشتے فانی اور اس رشتے کے تابع ہیں۔ مرکر دنیا والوں کی طرف نہیں لوٹنا تو پھر بنیادی فارمولا یہ ٹھہرا کہ خوف، محبت اور اطاعت کا مرکز و محور اللہ ہے۔ بر سرِ زمین سب سے پہلا اور (سب انسانی علائق سے) بڑا رشتہ امام الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ محمد رسول اللہ کا اقرار اور وابستگی میں سرِ فہرست رب تعالیٰ کے بعد۔ اُس کے بعد درجہ بہ درجہ اللہ رشتے آپ کو عطا کرتا اور برتنے کا طریقہ اور منہج بتاتا جاتا ہے۔ پہلے سب سے بڑا رشتہ والدین کا اور شادی کے بعد سب سے بڑا واجب الاطاعت رشتہ (اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے تابع) شوہر کا ہے۔

ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ، رزق کا منبع، ہر آسانی اور سہولت، مغفرت، اجرہی اجر اور سینے میں فرقان (کسوٹی، روشنی) تقویٰ، خدا خوفی سے وابستہ ہے۔ یہ ہر بچی کے لیے میرے رب کی رہنمائی ہے۔

سوال: آپ کے گھرانے میں، آپ کے علاوہ کوئی اور بھی ادیب یا شاعر ہوا، نیز آپ کے گھر کا ماحول دین اور ادب کے حوالے سے کیسا تھا؟

جواب: گھر کا ماحول کتابی تھا۔ ابتداً عصری تعلیمی کتب کے ساتھ اخبارات، بے شار دینی اور ادبی کتب ورسائل! بعد ازاں دینی کتب کا عنصر بڑھتے بڑھتے چھا گیا! والدہ ادیبہ، افسانہ نگار، شاعرہ تھی۔ والد محترم بہت زیادہ پڑھنے والے تھے۔ (مرحوم) بھائی ادیب و شاعر (اردو، فارسی، پنجابی، انگریزی میں شاعری، قصیدہ بردہ شریف کا منظوم ترجمہ اِن چاروں زبانوں میں عربی سے کیا)، بڑی بہن اردو انگریزی کی شاعرہ اور ادیبہ۔ (نیوکلیئر انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی)

(میمونہ صدیق۔ حیدرآباد)

سوال: آپ حالات حاضرہ پر باقاعدگی سے اخباری کالم لکھتی ہیں، جب کہ میگزین میں اتنی باقاعدگی سے نہیں لکھتیں، کیا وجہ ہے؟ کیا کالم کے بنسبت کہانی، مضمون، انشائیہ پسند نہیں یا انھیں کم مفید جانتی ہیں؟

جواب: حالاتِ حاضرہ پر کالم کی بنیادی وجہ اسلام کی سربلندی کی چاہت اور امت سے اخوت کا جذبہ ہے۔ یہ میری دینی تربیت میں گہرا رچا بسا ہے۔ ہجرت کرکے (برصغیر کے اُس دور کے حالات یاد کیجیے) آنے والے والدین نے حالاتِ حاضرہ کو گھر کی فضا پر حاوی رکھا۔ دینی اساتذہ اور کتب ورسائل نے اس درد کو مزید ہوا دی۔ بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر کی زوجیت نے رہی سہی کسر پوری کی۔ قومی اسمبلی کی رکنیت (استغفراللہ!) اُس پر مستزاد تھی۔ بنیادی اور اصل محرک تو نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان رہا: من اصبح لم یھتم بامور المسلمین فلیس بمسلم۔ (بخاری۔ مسلم) ''جو شخص صبح کرے اور مسلمانوں کے امور پر توجہ نہ دے وہ مسلمان نہیں ہے۔''

شدت کا اندازہ کریں، امت کے جسدِ واحد ہونے والی حدیث بھی یہی معانی رکھتی ہے۔ کیا تصاویر، اسکینڈلز سے پاک اخبار بھی نہ پڑھا جائے؟ صبح ہو اور امور المسلمین سے لاعلم رہنے پر مطمئن رہیں؟ موبائل تمام تر تصاویر سے بھرا ہر وقت ہاتھ میں رہے۔ اخبار شجرِ ممنوعہ بنالیں؟ سویوں سمجھیے کہ یہ سب پڑھنا لکھنا ایک فرض اور قرض سمجھ کر ادا کرتی ہوں۔ (میٹرک کے بعد سے ادارتی صفحہ اور اس کے مضامین پڑھتی رہی) یہ تو چھاپنے والوں کی مہربانی سے کالم لکھنا میری مجبوری بن گئی ورنہ میں قارئین ہی میں رہی سدا!

سوال: میگزین میں کم لکھنے کا کیا یہ مطلب بھی ہے کہ آپ ہمارے دونوں میگزین خواتین اور بچوں کا اسلام پڑھتی بھی نہیں؟ اگر باقاعدگی سے پڑھتی ہیں تو اس رسالے کی

آپ کو سب سے خاص بات کیا لگی؟ اور کیا کبھی کسی تحریر سے آپ کو بہت ہی خاص فائدہ ہوا ہے جو کثیر المطالعہ ہونے کے باوجود کبھی کسی اور رسالے یا کتاب سے نہ ہوا ہو۔

جواب: دونوں میگزین تقریباً باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ بھاری بھرکم چیزیں پڑھتے رہنے کے بعد یہ میٹھے (سویٹ ڈش) کا قائم مقام ہے۔ یہ خوشی حاصل ہوتی ہے کہ خواتین و بنات اور بہنین کی اصلاح کا بہترین کام ہو رہا ہے، الحمدللہ! اللھم زد فزد۔

سوال: مدیر چاچو کو بطور ایڈیٹر اور خاص طور پر خواتین کے رسالے کے مدیر کے آپ نے کیسا پایا؟

جواب: آپ کے مدیر چاچو، ہمارے لیے مؤدب (ادب آداب کے اعتبار سے بھی اور اردو ادب کے اعتبار سے بھی) بیٹے کا مقام رکھتے ہیں۔ ہم اُن کی لیاقت اور محنت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ان کی اردو دانی سے خائف رہتے ہیں کہ نجانے ہماری غلطیاں کہاں کہاں پکڑی جائیں۔

(فاطمہ احمد۔ ملتان)

سوال: آپ کی دینی و دنیوی تعلیم کتنی ہے اور کہاں سے حاصل کی؟

جواب: دنیاوی تعلیم ایم فل (حیاتیات)، قائد اعظم یونیورسٹی سے اپنے زمانہ جاہلیت میں حاصل کی۔ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران ہی قرآن، ترجمہ تفسیر سے پڑھنے کا موقع اسلامی جمعیت طالبات کی دعوت پر ملا۔ دل کی دنیا یکسر بدلی، بحمد اللہ! دو سال میں لگ کر مطالعۂ تفسیر وحدیث سے زندگی کا مقصد جانا۔ رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا گہرا نقش بیٹھا۔ مہربان بزرگ خواتین کی رہنمائی نے عملی زندگی میں احکامِ الٰہی پر صبر و ثبات سے عمل پیرا ہونا سکھایا۔ دنیاوی تعلیم کی چوکڑی بھول گئی۔ یہ طے کر لیا کہ (میکے، سسرال کی سبھی اعلیٰ تعلیم یافتہ، پروفیشنل خواتین کے برعکس) خالص عورت بن کر دینی زندگی اختیار کرنی ہے۔ دینی تعلیم باضابطہ استاد والی تو نہیں لے سکی۔ شادی کے بعد چار سال امریکا میں رہائش میں بھی بہر طور دینی تعلیم کی پیاس لیے، بحمد اللہ وسیع تر استفادے کے مواقع میسر رہے۔ عرب (وعجم) کی خواتین، خاندانوں سے بھی دینی وابستگی، تعلق نے بہت کچھ سکھایا۔ وہاں قیام شوہر کی تعلیم کے سلسلے میں کولمبیا یونیورسٹی نیو یارک میں تھا جو مسلمانوں کی آبادی کا ایک مرکزی شہر ہے۔ یوں سمجھیے کہ تقریباً پینتالیس سال اب اسی 'نخلستان' کی سیاحی میں گزر رہے ہیں۔ اگر قارئین کو فکر و نظر اور دینی فہم میں خیر نظر آتی ہے کجی یا انحراف نہیں تو یہ اللہ کی عطا ہے۔ دینی علم کے اعتبار سے تو آج بھی ہر نئی کتاب جو پڑھتی ہوں مجھے میری کم مائیگی اور لاعلمی ہی کا احساس دلاتی ہے۔ سو یہ سوال مجھے شرمسار ہی کرتا ہے کہ آپ کی دینی تعلیم کتنی ہے!

سوال: لکھنے کے علاوہ آپ کے مزید دینی و دنیوی مشاغل کیا ہیں؟

جواب: دین و دنیا یک جا ہے۔ سو گھر داری کے ساتھ ساتھ دینی کلاسز خواتین اور بچیوں کی ہوتی ہیں، جس میں قرآن، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیرت صحابہ و صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذریعے کردار سازی پیشِ نظر رہتی ہے کیونکہ عورت صالح مضبوط خاندان کا مرکزی کردار ہے۔

سوال: آپ کی والدہ محترمہ کے کچھ اشعار جو آپ کو پسند ہوں؟

جواب: والدہ محترمہ کے اشعار:

تو اپنی نظرِ کرم بے حساب رہنے دے
مرے گناہوں کا واللہ کوئی شمار نہیں

وہ عشق، عشق تھا جس سے کہ نار سرد ہوئی
گر اس مقام پہ پہنچو تو نار نار نہیں

اور

بزمِ ہستی میں یہاں کس کو ملی غم سے نجات
کتنے ہونٹوں پہ تبسم بھی پریشان نکلا

(صبا عباس۔ کراچی)

سوال: لکھنے میں آپ پر آمد زیادہ ہوتی ہے یا آورد؟

جواب: لکھنے میں زیادہ تر آمد ہوتی ہے۔ آورد کی بنیاد پر لکھنا پڑے تو قلم ہچکیاں لے لے کر، اٹک اٹک کر چلتا ہے۔ اللہ نوکِ قلم پر الفاظ اتارتا ہے، ہم صفحے پر ٹپکا دیتے ہیں۔ یہ ہے لکھنے کی اصل حقیقت۔

سوال: آپ زندگی میں کبھی شدید بیمار ہوئی ہیں؟ یا ایسا وقت آیا ہے کہ آپ کو لگا ہو کہ یہ آخری وقت ہے؟

جواب: آخری وقت قریب آ لگا محسوس کرنے کے لیے بیماری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سڑکوں پر اندھا دھند ٹریفک میں گھیر کر دیوانے ٹرکوں کو F-16 طیارہ لکھ کر اڑانے والے یہ کام کرنے کو کافی ہیں!

(جاری ہے)

عائشہ محبوب

نہایت عام سی عورت

رفتہ رفتہ اُس نے کچھ بہت خاص باتیں سیکھ لی تھیں!
ایک بہت عام سی عورت کی کہانی

وہ کھڑکی کے پردے کو ذرا سا سرکائے چاند اور اس کی روشنی کو اپنی بصارت میں سمو رہی تھی۔ اس وقت عام اسپتالوں کی طرح اس اسپتال کے اس جنرل وارڈ میں بھی ہو کا عالم تھا۔ ایسی خاموشی تھی کہ دلوں کی دھڑکن بھی صاف سنائی دیتی تھی۔

وہ اپنے رب العالمین سے دل ہی دل میں راز و نیاز میں مصروف تھی۔ یہ عادت اس کی ماں نے بچپن ہی سے اس کے اندر ڈال دی تھی کہ وہ جہاں بھی ہوتی اور جس تکلیف، دکھ درد میں ہوتی، وہیں اللہ کو اپنا حال دل کہہ سناتی۔

وہ ایک عام سی، انتہائی عام سی عورت تھی، مگر اسے کھیلنا، چالیں چلنا نہیں آتا تھا، نہ یہ اس کی ماں نے اسے کبھی سکھایا تھا کہ منافقت کے لبادے پہنے رشتوں کو کب کہاں کیسے اور کیا جواب دیا جائے۔

صبح اس عام سی عورت کا ڈیلیوری آپریشن تھا۔ وہ کوئی پہلی بار ماں نہیں بن رہی تھی۔ اس سے پہلے دو ننھی پریوں کی ماں بننے کی سعادت اللہ میاں نے اس کی جھولی میں ڈالی تھی۔ وہ دونوں بھی میجر آپریشن سے ہوئی تھیں۔ بس فرق یہ تھا کہ دونوں بیٹیوں کی بار اس نہایت عام سی عورت کے آپریشن ایمرجنسی میں ہوئے تھے، اور ایمرجنسی آپریشن کی اذیت، تکلیف اور نقصانات وہی بہتر جانتا ہے جو اس اذیت سے گزرا ہو۔ اِس بار بھی آپریشن ہی تھا مگر الیکٹو تھا۔ وہ رات سے اسپتال میں ایڈمٹ تھی۔ خیر آپریشن کوئی بھی ہو، اس نہایت عام سی عورت کو نہ پہلی بار فرق پڑا تھا نہ اب تیسری بار۔

اس نے پہلی بار ہی اپنے آپ کو قربانی کے جانور کی طرح بندھتے دیکھ لیا تھا۔ کاٹ پیٹ کر کے اس کی بیٹی اس کی رحمت اسے تھمائی گئی۔ اس کی طرف تو خوب خوشیاں منائی گئیں مگر شوہر کے خاندان میں بظاہر خوشی مگر حقیقتاً اسپتال کے اندر ایک معمولی سی بات پر جھگڑا اٹھا دیا گیا۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ وہ وقت یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی دوسری بیٹی تو اَن چاہی رہی۔ بظاہر دکھتا نہ مگر یہ وہ جانتا ہے جو منافقت کے رشتوں اور منافقانہ رویے جھیلتا ہے، سو تیسری بار اس نے اللہ سے نیک صالح مجاہد بیٹے کی عرضی ڈال دی تھی۔ خوشخبری ملتے ہی اس نے نیت کر لی تھی کہ بیٹے کا نام محمد رکھنا ہے۔

اور بھی ایک عہد اس نے خود سے کیا تھا، جو وہ اِس وقت اپنے رب سے مخاطب ہوتے ہوئے دہرا رہی تھی کہ بیٹا ہاتھ میں لیتے ہی اسے 'نہ' کہنے کا ہنر سیکھنا نہیں اپنانا ہے۔ رسموں رواجوں کو، خود اپنے نفس کو، اور لوگوں سے......اور بیٹے کے لیے پہلے سے بڑھ کر دعائیں مانگنی ہے......بیٹیوں کی طرح۔

☆......☆

''مبارک ہو، اللہ نے آپ کو بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے۔''

اس بار جسم سن ہو جانے کے باوجود اسے آپریشن کی اذیت محسوس ہوئی تھی۔ سو ڈاکٹر نے اسے غنودگی میں ڈال دیا تھا۔ اسی غنودگی میں ''الحمدللہ!'' کہتے ہوئے اس نے بیٹے کی پیشانی چوم کر دعا پڑھی تھی:

''اللھم فقھہ فی الدین'' اور دوبارہ غنودگی میں جا ڈوبی۔

اگلی بار سردی سے کانپتے وارڈ میں اس کی آنکھ کھلی۔ اس کی امی لپک کر اس کے پاس آئیں، لیکن اس کی حالت سنبھلنے کے بجائے بگڑتی گئی۔

ماہ بینہ کی آنکھیں آس پاس دیکھتے دروازے پر ٹک گئیں۔ اسے اپنے شوہر کو دیکھنا تھا، لیکن وہ کہیں نہیں تھے۔ اسپتال کے دروازے پر جب رات ساڑھے سات بجے اس نے اتارا تھا تو یہ کہہ کر وہیں سے روانہ ہو گیا تھا کہ امی رات تمھارے پاس رہیں گی، میں انھیں لینے جا رہا ہوں۔

آدھ گھنٹہ انتظار کے باوجود نہ پھر علی نے فون اٹھایا نہ کوئی پیغام بھیجا، نہ اس کی فیملی سے کسی اور نے فون پر جواب دیا۔

تھک ہار کر بھائی کے ساتھ ہی مل کر ماہ بینہ نے سارا داخلے کا طریقہ نمٹایا۔

آپریشن کے لیے فقط خواتین عملے کی ہدایت پر فارم وغیرہ بھرا اور ایڈمٹ لیٹر تک پہنچا کر یقین دہانی کی کہ کوئی مرد عملہ نہ ہوگا۔ اگر کوئی اشد مجبوری ہو تو اس کے جسم سمیت چہرے کے پردے کا خیال رکھا جائے گا۔ (آپریشن تھیٹر سے وارڈ کے بیڈ پر شفٹ کرتے وقت مرد عملے کی ضرورت پڑتی ہے تو ایک مرد اور دو خواتین ملازمین مریضہ کو بیڈ پر منتقل کرتے ہیں، کیونکہ بے ہوش یا سن ہونے کی بنا پر وہ حرکت کرنے سے قاصر ہوتی ہیں)۔ اس سارے کام میں رات کے گیارہ بج گئے۔ وارڈ میں اپنے بیڈ پر آ کر وہ اتنا تھک چکی تھی کہ اسپتال کا لباس پہنے بغیر ہی ڈھیر ہو گئی۔ تقریباً بارہ بجے نرس نے اٹھایا

کیفین

جو دودھ پیتا بچہ بہت روتا ہو۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ماں بہت زیادہ چائے پیتی ہے، جس کی کیفین ماں کے دودھ میں شامل ہو کر بچے کے جسم میں جاتی ہے تو نازک جسم کیفین کے تیز اثرات برداشت نہیں کر سکتا، لہٰذا بچہ رونا شروع کر دیتا ہے۔ چائے چھوڑ کر چند دن آزما کر دیکھ لیں۔ (م۔ب اٹک شہر)

کہ NPO کرنا ہے۔ (آپریشن سے پہلے مریض کا کھانا پینا روکا جاتا ہے کچھ گھنٹے قبل) پھراس سے فارغ ہوکر ٹیسٹ وغیرہ دے کر ہسٹری لکھوائی اور دوبارہ سو گئی۔

دو بجے پھر آنکھ کھلی۔ اس کی والدہ جا چکی تھیں اور ساس کسی خاتون سے محو گفتگو تھیں۔

اتنے میں پردے لگائے گئے کہ دو تین مریضاؤں کے شوہران سے ملنے آئے تھے۔

اس نے خاموشی سے اپنے آپ کو چہرے سمیت بڑی چادر سے ڈھانپا اور نرس سے پوچھ کر نماز کی جگہ پر چلی گئی۔

اور پھر آپریشن تھیٹر میں جانے سے پہلے بھی اس کی نظر شوہر کو ڈھونڈتی رہی، مگر لاحاصل، اندر جا کر خود ہی تھیٹر بیڈ پر لیٹ گئی۔

اور اب اس کی حالت گرتی جا رہی تھی۔ اسے آئی سی یو میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

حالت سنبھلنے پر جب دوبارہ وارڈ میں لایا گیا تو دو دن بعد اسے ڈسچارج کیا گیا۔

اور اس وقت اسے اپنے شوہر کی شکل نظر آ ہی گئی۔

صاحب اسے اور اس کی امی کو گھر کے دروازے پر چھوڑ کر خود اپنی امی کو لے کر آگے روانہ ہو گئے۔

اس نے اپنی 'نہ' کو اور مضبوط کیا۔

چوبیس سال بعد:

''ایک لڑکی ہے میری نظر میں۔ کہیں تو اُس کے گھر لے چلوں؟''

''ایسے کیسے منہ اٹھا کر چلے جائیں، بیٹی ہے کسی کی، کوئی مضبوط جواز ہو تاکہ انھیں یہ نہ لگے کہ میں اُن کی بیٹی دیکھنے آئی ہوں۔''

ماہ بینہ نے دھیرے سے اپنی چھوٹی بہن کو ٹوک دیا۔

گزرے چوبیس سالوں کے شکر، جی ہاں شکر اور پھر صبر نے اس کی شخصیت میں ایک جاذب نظر وقار اور خوب صورتی بھر دی تھی۔

''چلیں پھر اسے رہنے دیں۔ عابد بھائی کے سسرال سے تو آپ کو بھی دعوت آئی ہوگی، وہاں لڑکیاں دکھاتی ہوں۔ اس کے علاوہ ابا کے دوست کی پوتی کی شادی کا کارڈ ایک دو دن میں آپ کو ملنے والا ہے، اور ان کے یہاں تو شہر کی تقریباً ہر برادری کے افراد ہوں گے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' ماہ بینہ نے ماہین کو اوکے کر کے فون رکھ دیا۔

☆......☆

''یہ دیکھیں آپا!''

''کہاں؟''

''ارے ارے وہ، جو نقاب برقع میں ہے۔''

''میں پہچانی نہیں اِس بچی کو!''

''ارے اکرام انکل کی نواسی روزینہ آپا کی بیٹی ہے، 'مہر ماہ' نام ہے اس کا۔''

''اور یہ دیکھیں اس طرف! یہ معید بھائی کی سالی کی بیٹی ہے۔''

''اچھا ماشاء اللہ......!''

''آپ کو پسند آئی تو گھر کا طے کریں۔''

''ایسے کیسے منہ اٹھا کر۔''

''نہ میری آپا تحائف اٹھا کر۔ مطلب یہ کہ معید بھائی کی سالی میری مدرسے کی بہترین سہیلیوں میں سے ایک رہی ہے، اس کی بڑی بیٹی کے گھر بیٹی ہوئی ہے، سو مبارک باد دینے آپ بھی ساتھ چلیے۔'' یہ خیال ماہ بینہ کے دل کو بھی بھایا۔

☆......☆

خوشگوار انداز میں بات چیت ہوئی۔ ماہ بینہ نے بغیر محسوس کرائے کچھ خود اور کچھ معلومات ماہین نے معلوم کر لیں۔ گھر میں آنے کے بعد سے وہ چپ سی تھی۔

علی نے اس کی خاموشی پل میں محسوس کر لی تھی۔ گزرے چوبیس برسوں میں اس نے جہاں علی کی آنکھوں سے پٹی ہٹائی تھی، وہیں اسے خود سے سننے دیکھنے اور فیصلہ کرنے پر ابھارا تھا۔ نتیجتاً بیوی بچے اس کے قریب ہوئے تھے۔ کچھ اس کے بہن بھائی جب اپنی فیملیوں کو اس پر کھل کر ترجیح دیتے تو یہ بات اسے عقل دلا گئی تھی، لیکن ماہ بینہ کے لیے نقصان ہی رہا کہ اس کی دونوں دیورانیوں کے مقابل اس کی قدر اہمیت سسرال میں نہیں تھی۔ ماہ بینہ بغیر لڑے الگ ہوئی۔ وہ دونوں لڑ کر الگ ہوئیں، پھر بھی ساس نند کو مرغوب تھیں کیونکہ شوہر اُن کے ساتھ تھے جب کہ ماہ بینہ تنہا!

لیکن علی کے پلٹنے پر اس کا شکر بڑھا ہی، اس نے کسی سے کوئی شکوہ نہیں کیا، اسے بس شوہر سے غرض رہی۔

''کیا ہوا بینا؟ جب سے آئی ہو خاموش الجھی ہوئی ہو۔''

''ہوں......نہیں تو......''

''بتاؤ بھی!'' علی نے نرمی سے کہتے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''وہ بچی جسے آج میں ملنے کے بہانے دیکھنے گئی، وہ اور ہمارا محمد دونوں مزاجاً بالکل الٹ ہیں یعنی دونوں کا جوڑ سمجھ نہیں آ رہا......لیکن...... غلطی سے ماہین کے منہ سے محمد کے رشتے کا تذکرہ چل نکلا تو وہ حمنہ الوینہ کی امی نے آخر میں کہہ دیا کہ میں آپ

(اخت شبیر احمد۔ وہاڑی)

چڑیل کھوجی جرنل

یورپ میں ۱۴۸۴ء سے ۱۷۵۰ء کے درمیان کم از کم ایک لاکھ عورتوں اور دیگر ذرائع کے دعوے سے دو لاکھ عورتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان عورتوں کو مارنے سے پہلے چڑیل ثابت کیا جاتا تھا۔ ان میں کثیر تعداد بوڑھی اور غریب عورتوں کی تھی۔ چڑیلوں کی کچھ نشانیاں مقرر کر لی گ ئیتھیں جیسے چہرے پہ تل یا مسہ یا کسی اور قسم کا نشان حتیٰ کہ کیڑے کے کاٹے کا نشان بھی اس میں شمار تھا۔ اس کے ساتھ اگر ان کے پاس بلی موجود ہو تو پھر کیا کہنا۔ اس سلسلے میں ایک شخص جس کا ذکر خاصا کیا جاتا ہے اس کا نام میتھیو ہوپ کنس تھا، پیشے کے حساب سے ایک ناکام وکیل۔ چڑیلوں کو مارنے میں بہت کامیاب رہا اور ایک ایک دن میں انیس چڑیلوں کی حیات کا چراغ گل کیا۔ اسے وہاں کے مذہبی حلقوں کی حمایت حاصل تھی اور اس کے بدلے میں اسے مختلف ریاستی حاکموں کی طرف سے کثیر رقم ملی۔ تاریخ میں اس کا نام 'چڑیل کھوجی جرنل' کے طور پہ مشہور ہے۔ یورپ میں مظالم کا یہ سلسلہ اس وقت بتدریج ختم ہوا جب مسلم اندلس سے علم کی روشنی پھیلی۔

کے آنے کی منتظر رہوں گی!'' ماہ بینہ نے آہستہ آہستہ سب بتا دیا۔

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہوگئی؟''

''آپ سمجھ نہیں رہے، انھوں نے یہ بات میرا ہاتھ دباتے ہوئے کی تھی، گویا انھیں آس لگ گئی، اب سمجھ میں نہیں آ رہا کہ انکار کیسے کروں، اسی سے تو میں بچتی رہی تھی۔''

''بہت آرام سے، بچی اور اس کی ماں کے لیے تحفے لے جاؤ۔ بچی کو پیار سے اپنے پاس بٹھاؤ اور کہو کہ بیٹی! آپ بہت پیاری ہیں، بے شک جس گھر میں بھی جائیں گی وہ روشن اور مثل جنت ہو جائے گا، لیکن آپ کی خوبیاں دیکھتے ہوئے سچ میں مجھے اپنا بیٹا آپ کے قابل نہیں لگ رہا۔ میری بھی تین بیٹیاں ہیں، ایسے ہی آپ بھی میری بیٹی ہو۔ سو میں اپنے دل اور بیٹے کے لیے اپنی بیٹی سے زیادتی کیسے کروں؟ اللہ آپ کا نصیب بہت بلند با کمال اور قبول ہونے والا بنائے۔ اللہ وہ جوہری آپ کے نصیب میں لکھ دے جو آپ جیسے ہیرے کا صحیح معنوں میں قدر دان ہو۔''

علی کی آواز جذب اور سوز سے بھرپور تھی۔

اِدھر ماہ بینہ پوری آنکھیں حیرت، بے یقینی سے کھلی ہوئیں، اسے دیکھ کم گھور زیادہ رہی تھیں۔ ''یہ...... یہ آپ نے فرمایا؟'' علی جو پہلے ہی اس کے دیکھنے پر جز بز ہو رہا تھا، اس کی بات پر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

ماہ بینہ کھل کر ہنس دی۔ اس کی ہنسی اتنی بے ریا شفاف اور خالص تھی کہ علی کو لگا کوئی پاک جھرنا پھوٹ پڑا ہو۔

☆......☆

ماہ بینہ حمنہ اور الوینہ کے پاس بیٹھی تھی۔ نہ کا مرحلہ اس نے پار کر لیا تھا اور اب الوینہ اسے عقیدت سے تکتی جا رہی تھی۔ اچانک حمنہ نے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا اور اس کا ماتھا چوم لیا۔

''آپ نے آج مجھے بہت بڑا سبق دے دیا بیٹا! میں تا حیات آپ کی احسان مند رہوں گی، آپ کا تو ایک بیٹا ہے لیکن میرے تین ہیں، اب مجھے بھی آپ کے جیسی ماں بننا ہے۔'' اور الوینہ وہ تو آ کر گلے لگ گئی۔

''ماہ آنٹی! آپ تو واقعی چاند ہیں، جو روشنی بکھیرتا ہے، رستہ سمجھاتا ہے۔ یقین کریں آپ کی بہو جو بھی بنے گی قابل رشک ہوگی۔ میں واقعی اپنے ہم سفر کے طور پر فوجی کو پسند نہیں کرتی۔ میں اور امی آپ کے ماہین آنٹی کے ساتھ آنے پر شک میں پڑ گئے تھے۔ مجھے تو پہلے کے آئے پانچ، چھ رشتوں کے احوال ہی چڑچڑا کر دیتے تھے، پھر سنتی رہتی کہ کیسے انکار کر جاتے ہیں، مگر آنٹی آپ نے تو دل جیت لیا!''

اس نے ماہ بینہ کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا لیا۔

اس کے بعد بھی الوینہ نے ماہ بینہ آنٹی کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا۔ بہت جلد اس کی قنوطیت اور بے صبرا پن شکر میں ڈھل گیا۔ وہ وقتاً فوقتاً ماہ بینہ سے ملتی اور کچھ نہ کچھ سیکھتی۔ اور ڈیڑھ سال بعد جب وہ شادی ہو کر سسرال رخصت ہوئی تو بالکل پرسکون اور ذہنی طور پر مضبوط تھی۔ اس کے لیے وہ رب کے بعد ماہ بینہ جسے اس کے سسرال والوں نے 'نہایت عام سی عورت' کا خطاب دیا تھا، شکر گزار تھی۔

☆☆☆

30

سہارا



ایک مومنہ کی کہانی
اس کا آشیانہ
تنکا تنکا بکھر گیا

بنت الاسلام

لیکن ماجد اب بسا اوقات اس کمزوری کا اظہار کرنے لگا تھا۔ وہ اکثر کھویا کھویا رہتا۔ بہت کم ہنستا۔ بعض اوقات جب وہ واپس گھر آتا تو اس کی آنکھوں میں ایسی پریشانی اور وحشت سی ہوتی کہ منیرہ خود سخت پریشان ہو جاتی۔ اگر ممتاز ملک اور زرنگار کے آنے سے پہلے منیرہ ماجد کو اس حالت میں دیکھتی تو وہ اس کی جو بھی وجہ قرار دیتی اس کے دل کے کسی آخری کونے میں بھی یہ بات کبھی نہ آتی کہ ماجد کی اس بے چینی کی تہہ میں کوئی غیر اخلاقی بات بھی ہو سکتی ہے۔ مگر اب زرنگار اس کے دل میں کچھ ایسا زہر بھر گئی تھی کہ اس نے ماجد کی اس اداسی اور پریشانی کو بھی ممتاز ملک ہی کے کھاتے میں ڈال دیا اور اس احساس نے اس کے دل کو ماجد سے اور بھی زیادہ دور کر دیا۔ اگرچہ اس کا ظن غالب یہی تھا کہ ماجد اس لیے اداس اور کھویا کھویا سا ہے کہ ممتاز ملک کیوں چلی گئی، تاہم اس بات پر بھی پورا یقین رکھنا مشکل تھا کیونکہ ماجد کا رویہ خود اس کے اور بچوں کے معاملے میں اب پہلے سے بھی کئی گنا زیادہ اچھا ہو گیا تھا۔ وہ اب باہر بہت کم جاتا اور اگر کوئی دوست ملنے آ جاتا تو تنگی محسوس کرتا اور اس کی کوشش یہ ہوتی کہ آنے والا جلدی چلا جائے۔ زرینہ کے تو جیسے سائے سے اسے وحشت ہونے لگی تھی۔ جب کبھی وہ آ جاتی، ماجد کے چہرے سے صاف معلوم ہونے لگتا کہ وہ سخت گھبرایا ہوا ہے۔

وہ جتنی دیر بھی گھر میں رہتا اس کا اکثر حصہ اپنے بستر پر لیٹا رہتا اور اصرار کرتا کہ منیرہ اور تینوں بچے اس کے پاس بیٹھے اس سے باتیں کرتے رہیں۔ ہر تیسرے چوتھے دن وہ سر درد اور جسم ٹوٹنے کی شکایت کرنے لگتا حالانکہ تھرمامیٹر لگانے پر اسے بخار کی معمولی سی حرارت بھی نہ ہوتی۔ کچھ ہی دنوں میں منیرہ نے محسوس کر لیا کہ وہ صرف انہیں پاس بٹھائے رکھنے کے لیے ایسے بہانے تراشتا تھا۔ منیرہ اس کی صحیح کیفیت قلب سمجھنے سے عاجز تھی۔

ایک دن اس نے اس سے پوچھا ہی لیا:

”کیا بات ہے آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے؟“

”طبیعت؟“ ماجد کچھ سوچتے ہوئے بولا: ”طبیعت سے اگر تمہاری مراد صحت ہے تو وہ ٹھیک ہی ہے بس میرے دل کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔“

”دل کو۔“ منیرہ نے پریشان ہو کر کہا۔ ”آپ کو دل کی کوئی تکلیف ہے۔“

”دل کی تکلیف سے تمہاری مراد اگر دل کو کوئی بیماری ہے تو وہ بات بھی نہیں۔ بس دل گھبرایا اس رہتا ہے اور ہر وقت یہی خطرہ محسوس ہوتا رہتا ہے کہ کہیں میں تم لوگوں سے بہت دور نہ چلا جاؤں۔“

منیرہ کے دل میں شیطانی وسوسے پیدا ہو چکے تھے۔ وہ اس جملے سے برا مان گئی اور طنز آمیز لہجے میں کہنے لگی:

”آخر ہم سے کہیں بہت دور چلے جانے کی آپ کو اتنی زیادہ خواہش کیوں پیدا ہو گئی ہے۔“

ماجد اس کی بات سمجھ گیا اور وہ سخت آزردہ ہو کر بولا:

”منیرہ! خدا کی قسم تمہاری ساری نیکی اور راست بازی کے باوجود اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ ضرور کرے گا۔ تم نے عمر بھر میرے جذبات کو غلط سمجھا ہے۔“

منیرہ اپنے فقرے پر پشیمان تو ہوئی مگر اس کا دل بھی کچھ اس طرح کا جلا ہوا تھا کہ وہ جھلا کر بولی: ”جو شخص عمر بھر اپنے راز چھپائے رکھنے ہی کو اپنی کامیابی سمجھتا رہا ہو، اس کی بیوی اگر اس کے جذبات کو غلط سمجھتی رہے تو اس میں اس کا کچھ زیادہ قصور بھی نہیں ہے۔“

ماجد کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ منیرہ سٹپٹا گئی۔

”دیکھیے ماجد“ اس نے لجاجت سے کہا۔

”میرا یہ مطلب بالکل نہیں کہ آپ کے دل کو کوئی تکلیف پہنچاؤں۔ میں سچ کہتی ہوں کہ مجھے واقعی آپ کی پریشانی دیکھ کر تشویش ہے۔ آخر اس کی کوئی وجہ تو ہو گی۔ انسان بے وجہ تو پریشان نہیں ہوتا۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو، وجہ تو ہے لیکن میں ابھی تمہیں وہ وجہ بتا نہیں سکتا، مجھے ڈر ہے کہ تم اس کی متحمل نہیں ہو سکو گی۔ اچھا اب کوئی اور بات کرتے ہیں، اس تکلیف دہ موضوع میں کیا رکھا ہے۔ تم مجھے ایک درد کی گولی اور چائے کی ایک پیالی دو۔ میں سچ کہتا ہوں مجھے واقعی سر درد ہو رہا ہے اور جسم بری طرح ٹوٹ رہا ہے۔“

اس کے بعد بھی منیرہ نے اس موضوع کو دو ایک دفعہ چھیڑا مگر وہ ماجد سے کچھ نہ اگلوا سکی۔ اب اگرچہ مہمان جا چکے تھے اور وہ چند دن کے لیے لاہور جا سکتی تھی مگر ماجد کی طبیعت کا اندازہ دیکھ کر اس نے خود ہی جانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ پھر اصغری خانم کے خط سے بھی پتا چلا کہ اخلاق صاحب کی صحت اب پہلے سے بہت بہتر ہے۔ اس پر اس نے لاہور جانے کا خیال بالکل ہی ترک کر دیا۔ درحقیقت ماجد کی باتیں سن کر اس کا اپنا دل بھی کچھ دہشت زدہ سا ہو گیا تھا اور اگرچہ اس دن کی گفتگو کے بعد ممتاز ملک اس کے ذہن سے بالکل نکل چکی تھی، تاہم کسی انجانے خوف نے اس میں راہ پا لی تھی۔ سوتے میں کبھی اچانک اس کی آنکھ کھل جاتی تو رات کے سناٹے میں اس کے دل پر ایک عجیب سا ہراس طاری ہو جاتا جیسے اس کا شوہر اور اس کا گھر اس سے چھن جانے والا ہو۔ (جاری ہے)

اگر کچھ مرتبہ چاہو!

عائشہ غضنفر اللہ

''اری بہو! ذرا بچوں کی پروا کرلیا کرو، کب سے ارقم روئے چلا جارہا ہے، مگر آج کل کی ماؤں کو کہاں فکر؟ بوڑھی نوکرانی ہے تو سہی آیا گیری کے لیے۔''

حمیرا برتن دھو کر فارغ ہوئی تھی کہ ساس کی آواز نے اس کا پارہ آسمان پر چڑھا دیا۔

دامن سے ہاتھ پونچھتی حمیرا نے زہر خند نگاہیں جیٹھانی اور نند پر ڈالیں اور ارقم کو گود میں لے لیا۔

''تمیز ہی نہیں ہے، اب میرے ذمے کا کام تو نہیں تھا، میں ان کا احساس کرتے ہوئے کر رہی تھی، کچھ تو خیال کرنا چاہیے میرے بچے کا۔''

پورا دن حمیرا دل ہی دل میں نند اور جیٹھانی کو پھولوں کے ہار پہناتی رہی۔

☆......☆

''بھابی! ہٹیں پونچھا میں لگا لیتی ہوں، ویسے بھی آج میری باری ہے۔'' نند نے دو گز کے فاصلے سے دھیمے لہجے اور اوپرے انداز میں کہا۔

جلدی جلدی ہاتھ چلاتے ہوئے اس نے مسکرا کر مرحمہ کو دیکھا: ''یہ دیکھو بس ہو بھی گیا، بیٹھو تم......!''

بھابی کے لاڈ بھرے انداز پر نہال ہوتی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''یقیناً حمیرا نے تیل واپس جگہ پر نہیں رکھا ہوگا، حد ہوتی ہے لاپروائی کی، پتا بھی ہے بچوں کا گھر ہے۔''

چار کمروں، ایک لاؤنج میں پونچھا لگانے کے بعد جب برآمدے کی باری آئی تو ساس کی آواز نے در و دیوار لرزا دیے۔

حمیرا گیلے ہاتھوں سمیت لشتم پشتم کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا سر گھوم گیا۔

تیل کی ندی بہتے ہوئے الماری اور بیڈ تلے جا پہنچی تھی۔ پھیلاوا جس نے بھی بکھیرا تھا مگر صاف حمیرا نے ہی کرنا تھا، کیونکہ اولین غلطی اسی کی تھی۔

☆......☆

''احساس بھی کسی جذبے کا نام ہے۔ دن بھر کولھو کے بیل کی طرح کاموں میں خود کو کھپائے رکھتی ہوں۔ ایک غلطی کر بیٹھوں تو ہزاروں سننی پڑتی ہیں۔ آپ مجھے اہمیت نہیں دیتے، اسی لیے کوئی میری عزت نہیں کرتا۔''

آنکھیں موندے نیند کے قریب پہنچے اسعد کی پیشی لگ چکی تھی۔ اسے پتا تھا کہ اب غیر محدود وقت تک کی سماعت لازم ہے، اِس لیے نیند فی الوقت ممنوع ہے۔

''آج کی ہی بات ہے۔ صبح آدھا گھنٹہ ساس امی کے سر کی مالش کی ہے، مگر غلطی سے بوتل کا ڈھکن کھلا رہ گیا اور آپ کی بھتیجی بھلا مصیبت کیسے نہ کھڑی کرتی، تیل کا آخری قطرہ تک فرش پر انڈیل کر دم لیا۔ ان کی والدہ محترمہ کو فیشن میگزین سے فرصت ملے تو وہ بچوں پر نظر رکھیں۔ امی نے تمام دن وقفے وقفے سے مجھے اتنا سنایا کہ مجھے لگا کان سے لہو اب نکلا کہ تب......''

''ذرا اپنے سراپے پر نظر دوڑاؤ، دامن پر تیل کے چھینٹے، پائنچے گدلے، آستین گیلی، کنگھا بھی تو نہیں کیا ہوا، مگر جہاں کام کرنے والے تین تین افراد ہوں اُدھر تم 'سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے' گنگناتی پہنچ جاتی ہو۔ اپنا خیال رکھا کرو، اتنا کام کرو گی تو تھک کر چڑچڑی ہو جاؤ گی۔'' زمانے بھر کی خوشامد لہجے میں سمو کر اسعد نے حقیقت بیان کی۔

حمیرا نے جب اپنے حلیے پر نظر دوڑائی تو واقعی موئنجودڑو کا سا سماں سامنے تھا، لیکن وہ عورت ہی کیا جو سیدھی بات سیدھے طریقے سے سمجھ جائے۔

حمیرا جارحانہ موڈ میں تھی، صاف لگ رہا تھا کہ آج دونوں میاں بیوی بلڈ پریشر کی گولیاں کھا کر ہی سوئیں گے۔

اسعد نے آنکھیں نیم وا کیں، جسے حمیرا نے گرین سگنل سمجھتے ہوئے اپنی ٹرین پھر سے دوڑائی۔

''میں صرف آپ کی امی کا احساس کرتے ہوئے پورا دن ان کے کام سمیٹتے ہوئے خود کو تھکا دیتی ہوں مگر مجال ہے کوئی شکریہ ادا کرے، الٹا کوئی نہ کوئی نقص ڈھونڈ لیتی ہیں۔''

حمیرا نے دانت پیستے ہوئے دل کی بھڑاس نکالی۔

اسعد نے تکیہ تھوڑا اونچا کر کے دونوں بازوؤں کو سر کے نیچے رکھ کر جواب دیا:

''اس سے بہتر ہے کہ تم نہ ہی کیا کرو کام، تم خود پر توجہ دو، مجھے تمھاری صحت، تمھارا آرام عزیز ہے۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں خود پر توجہ نہیں دیتی کیا، کیا کمی نظر آرہی ہے مجھ میں؟''

اپنی بڑی بڑی آنکھوں کے حصار میں اسعد کو قید کرتے ہوئے حمیرا نے پوچھا۔

''اب آپ کو بھی مجھ میں عیب نظر آنے لگے؟ سج سنور کر بیٹھ جاؤں تب بھی اعتراضات کی بوچھاڑ، صرف گھر پر توجہ دوں، تب بھی میری ذات موضوع بن جاتی ہے۔ نرالا ہی دستور ہے بھئی اِس گھر کا۔'' حمیرا نے تکیہ گول مول کر کے گود میں رکھتے ہوئے شوہر کو جھڑکا۔

اسعد نے پھر سے آنکھیں موند لیں اور کوئی جواب نہ دیا۔

حمیرا کو شوہر کی گونگی شرافت ذرا پسند نہ آئی تو کافی دیر شوہر کو اس کے کردہ ناکردہ جرائم گنواتے گنواتے آخر کار تھک ہار کر حمیرا نے نیند کی چادر اوڑھ لی۔

☆......☆

اسعد سے بڑی بہن عاتکہ آپی سے ملنے کے لیے حمیرا بہت پرجوش تھی۔ اسعد اور گھر والے سبھی تو منتظر تھے۔ پورے چار سال بعد سنگا پور سے آپی نے اپنے دیس اڑان بھر ہی لی تھی۔ نازک سی حنہ، آپی اور ان کے شوہر کے آنے سے گھر بھر میں رونق محسوس ہو رہی تھی۔

''حمیرا! مجھے چائے بنانی ہے، سامان کی رہنمائی کر دیں۔'' باورچی خانے میں آکر آپی نے جھکتے ہوئے حمیرا کو مخاطب کیا۔

''کیا مطلب خیر تو ہے؟ چند دنوں کے لیے آئی

ہیں اور کام خود کریں؟ ایسا نہیں چلے گا۔"

حمیرا نے اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر جواب دیا۔

"آرام کے لیے دو دن بہت ہیں، کسی کام کو ہاتھ تک نہیں لگایا، اب اگر کسی نے کام سے روکا تو ہم زبردستی کریں گے۔" آپی نے مزاح میں کہتے ہوئے چولھا جلالیا۔

ان کا انداز حتمی تھا۔ حمیرا نے مجبوراً سامان کی رہنمائی کرنے کے بعد باورچی خانے کے کیبنٹ میں سامان ترتیب سے رکھنا شروع کر دیا۔

آپی نے چائے مگ میں ڈالی اور جھٹ پٹ پتیلی مانجھ دی، حمیرا کسی شیرنی کی طرح جھپٹی: "ارے ارے صرف چائے بنانے کی اجازت دی تھی، برتن دھونے کی نہیں۔"

"کوئی بات نہیں حمیرا! فوراً اگر دھولیا جائے تو زیادہ محنت نہیں لگتی اور میں نے کون سا پہاڑ ہلا دیا ہے۔ دس پندرہ سیکنڈ میں چائے کا برتن دھل گیا۔"

انھوں نے کہا اور مسکراتے ہوئے باہر چل دیں۔

☆......☆

"آپ کو آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ ابھی سے جانے کی تیاری ہے؟"

بڑی بھابی کی آواز کانوں میں پڑی تھی، اور اُدھر حمیرا پر گویا حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"اللہ اللہ! جیٹھانی صاحبہ کے منہ سے پھولوں کی برکھا کیسے برس گئی؟"

جلدی سے سیڑھیاں اتر کر وہ دالان میں پہنچی۔

"ارے نہیں بھابی! میری نندوں کے پیغام آئے جا رہے ہیں۔ رات میری ساس بھی کہہ رہی تھیں، عاتکہ! آ جاؤ بھی جلدی، ڈیڑھ ہفتہ بہت ہے، ہم اداس ہو گئے ہیں۔"

"اگر چند روز اور رہ جاتیں تو کتنی خوشی کی بات تھی، خیر آپ کی مرضی!"

بڑی بھابی نے دکھی لہجے میں کہتے ہوئے کمرے کی راہ لی۔

"ویسے آپی! اتنی ہر دلعزیزی کا آخر راز کیا ہے؟"

حمیرا نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے آپی سے سرگوشی کے انداز میں سوال کیا۔

"اللہ کی دین ہے حمیرا! ورنہ میرا کوئی کمال نہیں ہے۔"

حنہ کو دلیہ کھلاتے ہوئے آپی نے جواب دیا۔

"مگر کچھ اپنی محنت کا دخل بھی ہوتا ہے عزت بنانے میں، کیا سسرال کا سارا کام آپ اکیلے کرتی ہیں جس کی وجہ سے اُن کا آپ کے بغیر گزارہ مشکل ہے؟"

حمیرا ہنوز مطمئن نہ ہوئی تھی۔

"ارے نہیں حمیرا! تم حیران ہو گی، ہماری فیملی جوائنٹ ہے اور سب سے کم کام میں کرتی ہوں، کیونکہ حنہ اکثر بیمار رہتی ہے تو میں صرف اسی کو توجہ دیتی ہوں۔"

آپی نے حنہ کے منہ پر لگا دلیہ صاف کرتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

حمیرا حیرت سے انھیں دیکھتی رہ گئی۔

"کیا؟ تو پھر یہ محبت یہ عزت کیوں؟"

اس نے تو آج تک یہی سنا تھا کہ سسرال کے کاموں میں گھن چکر بن کر اپنی ذات بھلا دو تو آپ کی عزت ہو گی ورنہ نہیں۔

"ایسا کیسے ممکن ہے جبکہ فیملی بھی جوائنٹ ہو آپ کام بھی نہ کرو اور محبتیں سمیٹو۔"

حمیرا کی آنکھیں بے یقینی کی تصویر بنی ہوئی تھیں۔

میری زندگی کا اصول ہے: "اگر کسی کی مدد نہیں کر سکتے تو اس کا کام بڑھاؤ بھی نہیں۔ میں اگر ان کا کام زیادہ تر نہیں کروا پاتی تو اپنے کاموں کا بوجھ بھی ان پر نہیں ڈالتی۔ اگر کھانا بناؤں تو نمک، مرچ، چھری غرض ہر چیز جہاں سے اٹھاتی ہوں، وہیں رکھتی ہوں اسی حالت میں۔ شادی سے پہلے چاچو کے گھر اکثر آنا جانا لگا رہتا تھا چاچو کو میرے ہاتھ کی بنی چائے پسند تھی، جب بھی جاتی مجھ سے چائے کی فرمائش کرتے۔ اگرچہ سنک بھرا ہوتا تھا لیکن وہ برتن جو میں نے چاچو کے لیے استعمال کیا ہوتا تھا، چاچی کے ہزار منع کرنے پر وہ ضرور دھوتی تھی۔ سارے برتن دھونے کا اگر وقت نہیں کم از کم اپنا کیا بکھیڑا تو سمیٹ سکتی ہوں۔ بس تب سے یہ عادت پروان چڑھتے چڑھتے اب فطرت بن چکی ہے۔ اس عادت پر سسرال میں مجھے بہت قدر و عزت ملی۔"

دھیمے لہجے میں بات مکمل کر کے آپی نے حنہ کا منہ محبت سے صاف کر کے اسے دعا پڑھائی۔

اور حمیرا متاثرانہ انداز لیے انھیں دیکھ رہی تھی۔ اسے خوب احساس ہو چکا تھا کہ آپی کی ذات اس کے لیے کس قدر رحمت کا نمونہ ثابت ہوئی۔

آپی نے مسکرا کر تسلی آمیز نظروں سے حمیرا پر نگاہ کی اور پیالہ اٹھائے باورچی خانے کی جانب چل دیں۔

"اب یقیناً وہ اسے دھو کر واپس کیبنٹ میں رکھیں گی۔"

حمیرا یقینی انداز لگا کر خود بھی ایک عزم کر کے اٹھی اور اندر چل دی۔

☆☆☆

علمی درسگاہوں کی روشنی

2

ریحانہ تبسم فاضل

اب ابا جی فجر پڑھ کر جب مسجد سے آتے تو مناجات سنانے کی فرمائش کرتے اور پھر روزانہ مجھے چار اور کبھی چھے روپے دیتے اور پھر میرا پسندیدہ ناشتا میرے سامنے رکھتے۔

میں، ابا جی اور اماں جی مل کر ناشتا کرتے۔ کبھی میں حلوہ پوری کی فرمائش کرتی، کبھی مٹھری حلوہ، کبھی علی گڑھ کے بڑے اور گول پاپے مکھن کے ساتھ، کبھی بن میں مکھن لگا کر اور کبھی کبھی انڈا، ڈبل روٹی اور اس کے ساتھ شہد والا گرم دودھ۔

ابا جی اور اماں جی دودھ پتی کی چائے پیتے تھے۔

☆...... پانچ برس کی عمر تک میں چند پارے پڑھ چکی تھی۔ میری والدہ نے ابا جی اور ابا جی کی اجازت سے مجھے بلبلی خانہ کے اسکول میں داخل کردیا۔ یہ گورنمنٹ کا اور ہندی زبان کا اسکول تھا۔ دوسری جماعت سے اردو زبان پڑھائی جاتی تھی لیکن باقی کے تمام مضامین ہندی میں ہوتے تھے۔ اسلامیات صرف مسلم ٹیچرز پڑھاتی تھیں، باقی تمام مضامین عیسائی اور ہندو ٹیچرز پڑھاتی تھیں۔ ہمارے اسکول میں کئی خواتین اُدھیڑ عمر کی تھیں جو چھوٹی بچیوں کو اسکول سے گھر اور گھر سے اسکول لے جاتی تھیں۔ ہمارے علاقے کی خاتون عائشہ بوا تھیں۔ یہ شٹل کاک کا برقع اوڑھتی تھیں۔ ہم تمام بچے انھیں ”بوا جی“ کہتے تھے۔ بوا جی بہت تیز رفتار تھیں، میں ہمیشہ ان کا برقع پکڑ لیتی تھی (مجھے یہ ڈر ہوتا تھا کہ کہیں میں پیچھے نہ رہ جاؤں)۔ بوا نے میری بات بہت جلد سمجھ لی۔ اب وہ ہمیشہ میرا ہاتھ پکڑ کر رکھتی تھیں۔

میری چچی علی گڑھ کے قریب ایک ایسے علاقے سے تعلق رکھتی تھیں جہاں ذریعۂ تعلیم صرف ہندی زبان تھی۔ ان کی ہندی زبان سے مجھے بہت فائدہ پہنچا اور بہت جلد میں اپنا سبق یاد کرلیا کرتی تھی۔ جب میں دوسری کلاس میں آئی تو اردو کا قاعدہ شروع ہوا۔ تیسری کلاس تک پہنچی تو اردو کی کتاب شروع ہوئی۔ کتاب کی پڑھائی کے ساتھ ساتھ روزانہ اردو کے سبق سے سوال و جواب بھی ہماری مس لکھواتی تھیں اور تیسرے چوتھے دن املا نویسی بھی ہوتی تھی۔

میری اردو کی پڑھائی تو بہت اچھی تھی لیکن ابھی تک اردو لکھائی بہتر نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن جب بوا جی حویلی کے گیٹ میں داخل ہو کر ہماری دکان کے پاس سے گزرنے لگیں تو میرے والد صاحب نے اماں جی کے لیے کوئی چیز میرے ہاتھ میں پکڑا دی۔

والد صاحب کے پاس ان کے دوست بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دوست نے مجھ سے میرا بستہ مانگا۔ میں ان کی اس بات پر بڑی حیران ہوئی لیکن بستہ ان کو پکڑا دیا۔ انھوں نے میری اردو کی کاپی نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگے۔

اتفاق سے اس دن مس نے املا نویسی کروائی تھی۔ انھوں نے وہی صفحہ نکالا اور کہنے لگے: تمھاری اردو کی لکھائی اتنی خراب ہے کہ دس میں سے تمھیں صرف دو نمبر ملے ہیں۔ مجھے تو تمھارے نمبر دیکھ کر شرم آرہی ہے۔ میرا نرم و نازک دل یہ بات برداشت نہ کرسکا اور میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میرے والد صاحب دکان کے کسی کام میں مصروف تھے، انھیں اس کارروائی کے بارے میں کچھ پتا نہ چل سکا، لیکن والد صاحب کے دوسرے دوست کہنے لگے: میاں تم عجیب آدمی ہو، اتنی سی بچی کی لکھائی پر اعتراض کر رہے ہو۔

یہ کہہ کر انھوں نے بوا جی سے کہا: بوا! بچی کا بستہ اٹھاؤ، اسے آرام سے گھر چھوڑ دو۔

جیسے ہی میں گھر میں داخل ہوئی تو سلام کرنے کے بعد اپنی اماں جی کے گلے سے لپٹ کر رونے لگی۔ جب اماں جی مجھے چپ کرا رہی تھیں تو اسی وقت ابا جی گھر میں داخل ہوئے۔ مجھے روتا دیکھ کر پریشان ہوگئے۔ مجھ سے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے تمام واقعہ ان کو سنا دیا، پھر ان کے کندھے سے لٹک کر کہنے لگی:

”ابا جی! میں کچھ نہیں جانتی، مجھے کوئی لکھائی درست کرنے کے لیے استاد لا کر دیں۔ ابا جی کہنے لگے: تمھارے چچا جان آجائیں تو ان سے بات کرتا ہوں، وہ تمھاری لکھائی درست کرا دیں گے۔ میں نفی میں گردن ہلاتی رہی۔ ابا جی کہنے لگے: بتاؤ میں کیا کروں؟ میں نے کہا مجھے بہت اچھے استاد کی ضرورت ہے۔ ابا جی کہنے لگے: اچھا تم کھانا تو کھاؤ، میں بھی کھانا کھالوں پھر ماسٹر انوار کو لے کر آتا ہوں۔ میں نے خوشی خوشی ہاتھ دھوئے، چچی جان نے دسترخوان بچھا کر کھانا چن دیا۔ سب کھانا کھانے لگے، پھر ابا جی ماسٹر صاحب کے پاس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد دروازے پر ابا جی کی آواز گونجی:

”ماسٹر صاحب آئے ہیں۔“

میری چچی جان، آپا جان اور اماں جی بڑے ہال میں چلی گئیں۔ میں نماز کی چوکی پر بیٹھی تھی۔ اماں جی نے ماسٹر صاحب اور ابا جی کے لیے چوکی کے پاس دالان ہی میں دو کرسیاں رکھ دی تھیں۔ میں دروازے پر پہنچی۔ ماسٹر صاحب کو سلام کیا (ماسٹر انوار کافی ضعیف العمر تھے، ان کی کمر بھی جھکی ہوئی تھی)۔ ابا جی نے انھیں کرسی پر بٹھایا اور خود بھی ان کے برابر میں بیٹھ گئے۔ ماسٹر صاحب ابا جی سے کہنے لگے:

”میاں! صاحب زادی کو بلا لو۔“

ابا جی نے مجھے اشارہ کیا کہ میں کھڑی ہو جاؤں، پھر ان سے کہا کہ میری اس بچی کو لکھنا سکھانا ہے۔ ماسٹر صاحب حیرت زدہ کبھی مجھے، کبھی ابا جی کو دیکھ رہے تھے۔ پھر مسکرا کر کہنے لگے: واہ میاں عبدالمجید! تم نے مجھ سے بڑا خوب صورت مذاق کیا ہے۔

ابا جی کہنے لگے: ”ماسٹر صاحب! آپ کی علمیت کی وجہ سے آپ کی قدر و منزلت میرے دل میں موجود ہے، میں علم والوں سے مذاق نہیں کرتا۔“

پھر ابا جی نے میرے والد صاحب کے دوست کا پورا واقعہ ماسٹر صاحب کو سنایا اور پھر میری فرمائش بھی سنا دی۔ ماسٹر صاحب نے مجھے بڑی شفقت سے اپنے پاس بلایا، میرے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے: ”میں ایسے بچوں کی ضرور مدد کرتا ہوں جو علم سے محبت کرتے ہیں۔“

پھر انھوں نے میری ہندی کی کاپی اور دیگر مضامین کی کاپیاں دیکھیں۔ انھوں نے دینِ اسلام سے متعلق مجھ سے سوالات بھی کیے، جن کے میں نے صحیح جواب دیے۔ ماسٹر صاحب خوش ہوگئے، پھر ابا جی سے کہنے لگے: (جاری ہے)

جلائیے

نبیلہ اقبال۔ راولپنڈی کینٹ

چیزوں کو بنانے، سنوارنے کے بہت سے طریقے اور ترکیبیں آپ نے بہت سے لوگوں سے سنی ہوں گی، بہت رسالوں میں پڑھی ہوں گی، مگر آج کی ان ترکیبوں کا اُن سب سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ اپنے اندر بے مثال انفرادیت رکھتی ہیں کیوں کہ یہ ترکیبیں ہیں جلانے کی۔

اگر "ج" کی زیر کے ساتھ پڑھ رہے ہیں تو پھر ایک بار پھر معذرت یہ دراصل زبر والی "ج" کے ساتھ جلانے کی بات ہورہی ہے۔ ویسے تو جلنے جلانے کے بھی کئی طریقے اور انداز ہیں، مثلاً دوسروں کے بچوں کی کامیابی پر جلنا، گھر کے لیے خریدے گئے صوفے، پردے، قالین وغیرہ دوسروں کو دکھا کر جلانا، کسی کو نیا لباس زیب تن کیے ہوئے دیکھ کر جلنا، تصرف میں آئی ہوئی نئی سواری دکھا کر پڑوسیوں کو جلانا، دوسروں کا زیور دیکھ دیکھ کر جلنا اور نہیں تو کسی شخص کے اندر اپنے سے زیادہ قابلیت دیکھ کر جلنا...... لیکن ہمارے "جلانے" کا اس جلنے جلانے سے الحمدللہ کوئی واسطہ نہیں۔ ہم تو بات کررہے ہیں چولھے پر رکھ کر جلانے کی، چاہے کچھ بھی ہو۔ اس قسم کے جلانے کے ہمارے پاس ایک سو ایک گر موجود ہیں، لیکن آپ کو صرف چند ایک پر اکتفا کرنا ہوگا کیوں کہ کچھ خاص تراکیب ہمارے خاندانی راز ہیں۔

۱۔ امی گھر پر ہیں نہیں، ہنڈیا تیار کرنے کی ذمے داری آپ پر ہے تو بڑے طریقے سلیقے سے کدو دال پکایئے (اب ترکیب بھی ہم بتائیں کیا، کدو دال کی ترکیب کسی اور سے پوچھ لیجیے)۔ بہرحال بتائی گئی ترکیب سے تمام ضروری اجزاء ہنڈیا میں ڈالنے کے بعد چولھے پر چڑھا دیں۔ دھنیا کاٹ کر رکھ لیں اور خود جا کر کسی بھی کتاب یا رسالے کے مطالعے میں ڈوب جایئے، اور کچھ ایسے کہ پھر چھوٹے بھائی کی تیز آواز سن کر ہی آپ کا سر اٹھے کہ باجی! باورچی خانے سے پتا نہیں کیسی بو آرہی ہے......!

سو بہنو! اُس کے بعد ہوسکتا ہے کہ امی کی چپل کے ساتھ صرف کتا ہوا دھنیا ہی اُس دن آپ کو روٹی سے کھانا پڑے۔

۲۔ ابا جان نے حلوے کی فرمائش کردی ہے تو ایک چولھے پر پانی چڑھایے اور دوسرے پر سوجی بھوننا شروع کردیجیے۔

اب بھنتی سوجی کی خوشبو آپ کو اس قدر گرویدہ بنالے کہ آپ چمچ چلاتی جائیں اور خوشبو کا لطف اٹھاتی جائیں۔ خوشبو کا دورانیہ جتنا طویل ہوتا جائے گا، جلانے کی اس ترکیب کا نتیجہ اتنا ہی دلربا ہوتا جائے گا۔ اُس کے بعد سوجی میں پانی ڈلنے کے بعد......!

واہ جی دیکھ کر دل خوش ہوجائے گا آپ کا، مگر نتائج کی ذمے داری بہرحال ہماری نہیں ہوگی۔

۳۔ اس ترکیب کو استعمال کرنے سے پہلے کپڑے یا پردے ضرور دھو لیجیے اور اس کے بعد خصوصی صفائی کرکے گھر کو چمکالیں۔ ظاہری بات ہے اتنی تھکاوٹ کے بعد دوپہر کے کھانے کے لیے سب سے کم محنت چیز مسور کی دال ہوگی۔ دال کو تمام مصالحہ جات اور پانی سمیت چولھے پر چڑھایئے، ادھر بگھار کے لیے تیل اور لہسن تیار کرکے رکھ لیں اور خود تھکان دور کرنے لیے کے لیے سو جایئے، جب تک تھکاوٹ دور ہوگی، دال بگھار کی ضرورت سے بے نیاز ہوچکی ہوگی۔

۴۔ ہماری اس ترکیب کو آزمانے کے لیے کم از کم آدھا کلو (اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی قید نہیں) گوشت موجود ہونا چاہیے۔ سارے مصالحوں سمیت پانی میں ڈال کر گوشت کو تیز آنچ کے ساتھ چولھے کے سپرد کیجیے اور خود ہوا خوری کے لیے چمن کی راہ لیجیے۔ گل بوٹوں سے سلام کلام کرتے، پتوں، ڈالیوں کا حال چال پوچھتے، پرندوں کی اڑانیں دیکھتے، تتلیوں کے رنگ گنتے آپ اچانک پکار اٹھیں گی۔

چمن سے آرہی ہے بوئے کباب ۔۔۔ کسی بلبل کا دل جلا ہوگا

اور اندرونِ خانہ سے امی کی جلی کٹی آواز آئے گی:

"محترمہ! یہ بلبل کا نہیں ہمارا دل جل رہا ہے کہ ہنڈیا میں پورا پانچ سو جل رہا ہے۔"

۵۔ ارے......! چاول جلانے کا گر تو بتایا ہی نہیں، اُس کے لیے ضروری ہے کہ ابلتے پانی میں چاول ڈال کر بھول جائیں یا دم لگا کر چولھا مدہم کرنا بھول جائیں اور نہیں تو دم دے کر دم اٹھانا ہی بھول جائیں۔ ترکیب کی کامیابی کے لیے بہرحال بھولنا شرط ہے، چاہے اس کے لیے کسی سے فون پر بات کرنے لگیں یا موبائل پر آنے والے پیغامات پڑھنا شروع کردیں، پھر بھی اگر چاول جلنے میں کوئی کسر رہ جائے تو بھلے ہی آپ ہمارا نسخہ دوبارہ استعمال نہ کریں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

۶۔ ہماری لیاقت اور قابلیت صرف روایتی کھانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ بسکٹ، کیک اور پیزا جیسی چیزیں بھی ہمارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہیں کہ ہمیں تو جلنے سے معاف ہی رکھو، مگر ہم بھی کچھ جلائے بنا رہ نہیں سکتے تو لیجیے مناسب مقدار میں اوون گرم کیجیے۔ کیک، بسکٹ یا پیزا اندر رکھیے اور خود جا کر کمپیوٹر سنبھال لیجیے یا پھر کھانا کھانا شروع کردیں، اگر یہ بھی نہیں تو کسی ہمسائی کی خبرگیری کرلیں۔ آس پاس کے صرف دو چار گھرانوں کے اندر باہر کی خبریں بھی پوری نہیں ہوئی ہوں گی کہ پڑوسن ناک سکوڑے پوچھنے لگے گی: "یہ نجانے کس کے گھر میں کیا جل رہا ہے......؟"

لیجیے جناب! یہ تو تھیں ہماری کچھ بہت ہی خاص تراکیب...... آزمایئے گا ضرور! ہمیں امید ہے کہ آہستہ آہستہ جلانے کی ان تراکیب میں آپ خاصی خودکفیل ہوجائیں گی، بلکہ ہماری طرح دوسروں کو مفت مشورے دینے کے لیے بھی بہت سی ترکیبیں آپ کے پاس ہوں گی۔

ملاحظہ: یہ تمام نسخے ایک مرتبہ سے زیادہ آزمودہ ہیں۔

☆☆☆